وجاہت علی سندیلوی
سندیلہ۔ یوپی (انڈیا)

یہ بھی ایک فن ہے خوشامد کرنا

آج کے زمانے میں جب چمچاگیری ایک باقاعدہ صنعت بن چکی ہے خوشامد کرنا یقیناً ایک فن ہے۔ یہ جہاں منفعت بخش سمجھا جاتا ہے وہاں خطرے سے بھی خالی نہیں ہوتا، اس فن کا بھی دوسرے بڑے فنوں کی طرح مزاج کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک! یہ ایک طرح کی جادو کی ہانڈی ہوتی ہے جو زیادہ تر تو اس شخص کے سر پر گرتی ہے جس کا نام لے کر یہ پھینکی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی یہ پلٹ کر اس شخص کے سر پر بھی آ پھوٹتی ہے جو کہ اس کو پھینکتا ہے اور تماشا دکھانے والا مداری خود ایک تماشا بن جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنے خوشامد کرنے والے مصاحبوں سے تنگ آکر اپنے دربار کے دروازے پر اس عبارت کا ایک بورڈ لگوا دیا تھا "یہاں خوشامد کرنا ایک جرم ہے" اس بورڈ کا وہی اثر ہوا جو ہمارے یہاں دفتروں اور کچہریوں میں اس اشتہار کا ہوتا ہے "رشوت لینا پاپ ہے"! بہرکیف خود بادشاہ خوش تھا کہ اس نے اپنے دربار سے خوشامد ختم کردی ہے۔ ایک شاعر نے دربار میں آکر بادشاہ کے ایک گدھے کی تعریف میں ایک قصیدہ پڑھا۔ کچھ درباریوں نے بادشاہ کو ورغلایا کہ جہاں پناہ یہ علامتی شاعری میں آپ ہی کی شان میں قصیدہ ہے لہٰذا اس ناشدنی شاعر کو دربار کے اصول کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں سزا ملنی چاہیے۔ لیکن بادشاہ منصف مزاج تھا اس نے درباریوں کی بات نہیں مانی اور شاعر کو بہت کچھ انعام واکرام سے نوازا۔ دوسرے شاعر کو اس واقعے کی خبر ملی تو وہ رشک وحسد سے جل کر کباب ہوگیا اور اس نے ملکہ کے حسن وشباب اور ناز وعشووں کے متعلق ایک قصیدہ دوسرے ہی دن دربار میں حاضر ہوکر سنایا۔ وہ سمجھتا کہ ملکہ کی تعریف کے دام یقیناً ایک گدھے کی تعریف کے داموں سے زیادہ ہوں گے۔ واہ واہ، مرحبا، مکرّر ارشاد، حق گفتی ودرسفتی کے نعروں سے درباریوں نے دربار کی چھت اڑادی، کچھ نعرے لگانے والوں کو شاعر اجرت دے کر بھی لایا تھا۔ لیکن بادشاہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی، بلکہ اس کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا، شاعر جب ان اشعار پر آیا ؎

چمن میں جو آکر ٹہلنے لگے	تو بلبل خوشی سے چہکنے لگے
خدا چاپلوسوں کو غارت کرے	مری محنتوں کو سوا زت کرے

تو بادشاہ نے اس کو ڈپٹ کر روک دیا "خاموش!" اور پھر گرج کر بولا، تمہارے اشعار سے رقابت بغاوت بلکہ حماقت کی بو آتی ہے لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ تمہارا منہ کالا کردیا جائے، اگرچہ اس کے مزید الا کیے جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور تم کو گدھے پر سوار کر کے شہر بدر کیا جاتا ہے۔ تعمیل ہو تعمیل ہو"

قدرت اللہ کا یہ بے سر دپیر کا لطیفہ سن کر بھولا ناتھ منہ بنا کر بولے "میاں سبحان تیری قدرت!

تم یہ آدھے بلکہ ادھ کچرے قصے کیوں سناتے ہو۔ آگے کیوں نہیں بتاتے کہ جب ملکہ عالم کو شاعر پر قہر ناگہانی، بلکہ قہر بدگمانی کا علم ہوا تو اس نے شاعر کو اپنا منہ بوٹ پالش سے صاف کرنے کے واسطے اپنے خاص حمام سے سونے کے ڈبے میں ایک عدد صابن اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ دوسرے شہر پہنچ کر بادشاہ کی منظورِ نظر ایک لونڈی کے خلاف ایک گرما گرم ہجو لکھ کر بذریعہ رجسٹری بھیج دے ...."

بات کاٹتے ہوئے قدرت اللہ کہنے لگے "بھالو ناتھ تمہاری تو وہی مثل ہے کہ ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا۔ تم میرے لطیفے کو ادھ کچرا کہتے ہو۔ ابھی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خوشامد کرنا ہر نتھو، بدھو کے بس کی بات نہیں۔ اس کے کرنے کے لیے نہ صرف صحیح موضوع انتخاب کرنا ضروری ہے بلکہ موقع، محل اور ممدوح کا مزاج اور موڈ کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔"

خوشامد کے یوں تو معنی ہوتے ہیں کسی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولنا اور اس کے چھوٹے موٹے بہت سے عناصر ہمارے معاشرے کے رسوم اور مجلس آداب میں ایسے گھل مل گئے ہیں جیسے کہ ہمارے گھوسی کے دودھ میں پانی۔ یعنی ہم اس کے وجود سے بے خبر بھی نہیں ہیں لیکن خوش ہو کر ہم اسے پیتے اور اپنے خون پسینے کی کمائی سے اس کے دام دیتے ہیں اور اس کے لیے اپنے گھوسی صاحب کو اپنا محسن بھی سمجھتے ہیں، کوئی شاعر صاحب اپنے بے ہنگم کلام سے ہمارے کانوں میں زہر گھولتے ہیں تو ہم اخلاقاً یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آپ کے اشعار ہمارے کانوں میں شہد کی بوندیں ٹپکا رہے ہیں۔ کوئی صاحب مان نہ مان میں تیرا مہمان، کے طور پر ہمیں زبردستی اپنا میزبان بنا دیتے ہیں تو ہم مرزا غالب کے ہم نوا ہو کر یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں ؎ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

سچ پوچھیے تو چھوٹی چھوٹی خوشامد ہمارے معاشرے کی رواداری اور خوش اخلاقی کی مشین میں تیل کا کام دیتی ہے اور ہم اسے فن برائے فن نہیں بلکہ برائے ضرورت استعمال کرنے پر لاچار ہو جاتے ہیں اکبر الہ آبادی نے اس صورت حال کا صحیح اندازہ لگایا تھا ؎

ان کے محسن اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں
گو خوشامد سے پرہیز مگر کرتے ہیں

خوشامد اخلاقیات کے دائرے سے نکل کر ایک دوسرے درجہ کا کاروبار اس وقت بن جاتی ہے جب اسے پیشہ ور لوگ اپنا الّو سیدھا کرنے کا ایک آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ اور خوف و فسادِ خلق یا رفاہِ عام کی غرض سے نہیں بلکہ محض اپنی ناجائز مطلب برآری کے لیے یہ لوگ نااہل خوشامد طلبوں کی جھوٹی تعریف اور توصیف کے ڈونگرے برسانے لگتے ہیں اور صرف باتوں سے توتا مینا، کوّا، مور، گدھا، ہاتھی، اور گیدڑ شیر بنا دیا جاتا ہے۔ اور فن کا کمال اس وقت دیکھنے میں آتا ہے جب الّو اور خود ممدوح اپنے آپ کو مور ہاتھی یا شیر سمجھنے لگتا ہے۔

ہمارے قصبے کے ایک نوخیز رئیس زادے کو اس کے مصاحبین لارڈ کرزن کہنے لگے۔ یہ لقب رئیس زادے کے ذہن پر کچھ ایسا چھا گیا کہ اس نے ایک انگریز کلکٹر سے اس کو اپنے نام کے طور پر بتا دیا۔ پھر لارڈ کرزن نے پاگل خانے سے کیسے رہائی پائی، یہ ایک دوسری داستان ہے۔

عموماً خوشامد، اقتدار کی مدح سرائی کرتی ہے لیکن طائرِ اقتدار مرغ بادنما سے بھی زیادہ

(باقی صـــ ۱۷ پر)